فائزہ افتخار

دستک دل کی

کہانی وہاں سے شروع ہوئی تھی جب میں نے اخبار میں وہ اشتہار پڑھا تھا۔
اور کہانی میں ٹوئسٹ تب آیا جب میں نے اخبار میں وہ اشتہار دیا۔
ان دونوں اشتہاروں نے دو بار مجھے اشتہاری ـــ میرا مطلب ہے بناؤ الا ـــ یعنی لائف بنا دی۔
آپ کہتے ہوں گے بندہ ایک اور لائف دو دو ایک

ناولٹ

انسان ایک ہی زندگی جیتا ہے مگر یہ بھی سچ ہے بعض انسان ایک زندگی میں دو دو بار جیتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس پہلے اشتہار کے بعد میں واقعی جیسے جی اٹھا تھا (یہ الگ بات کہ اس جی اٹھنے کے بعد میرے منہ سے علاوہ جی جی کے کچھ اور نکلتا ہی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"قیصر ـــ" پھپھو کی آواز نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔
ق سے قانون 'ق سے قاری صاحب 'ق سے قبضہ 'ق سے قینچی 'ق سے قابو۔
یعنی ق سے شروع ہونے والے زیادہ تر لفظ پر تشدد اور دل دہلانے والے ہی ہیں۔ لیکن میرا نام قیصر اس لیے مجھے نہیں دہلاتا تھا کہ یہ ق سے شروع ہوتا ہے بلکہ اس لیے کہ یہ نام زیادہ تر پھپھو کے منہ سے ادا ہوتا ہے۔ اس لیے بھی نہیں کہ انہیں میرا نام بہت پسند ہے یا مجھ سے وہ بہت پیار کرتی ہیں اس لیے میرا نام چپٹی رہتی ہیں بلکہ صرف اس لیے کہ فی الحال وہی میرا اس دنیا میں اکلوتا رشتہ ہیں ـــ اور کس کو پڑی ہے جو مجھ بیچارے کا نام لے۔

میں قیصر محمود 'عمر چھبیس سال (آج سے چار سال پہلے کی بات کر رہا ہوں ورنہ خواتین کی طرح عمر کم بتانے کا شوق نہیں ہے مجھے۔)

والد محمود علی مرحوم 'والدہ رابعہ علی مرحومہ ـــ بھائی جان خورشید علی مرحوم ـــ میری زندگی میں مرحومین کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ پتہ نہیں وہ لوگ اللہ کو زیادہ پیارے تھے 'یا میں انہیں کچھ کم پیارا تھا جو وہ ایک ایک کر کے مجھے چھوڑتے چلے گئے۔

دھلائی سال کا تھا جب امی آئیں ـــ چودہ سال کا تھا جب خورشید بھائی دوستوں کے ساتھ نہر میں نہاتے ہوئے ڈوب گئے اور سترہ سال کا تھا جب ابا بھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ـــ یہ میں محاورتاً نہیں کہہ رہا ایسا واقعتاً ہوا تھا۔ پھپھو نے ابا کی سے مہینے بھر کا خرچا لگا تھا۔ جس کے جواب میں وہ ایک گہری سوچ میں گم ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک پھپھو نے خلاف عادت صبر سے جواب کا انتظار کیا۔ اس کے بعد ہلاتے ہوئے ابا کی کاکلیں جھلا کے اپنے جانب متوجہ کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ دماغ فیل ہونے کی وجہ سے گزر چکے ہیں۔

نو سال ہو گئے ہیں میں مکمل طور پہ پھپھو کے رحم و کرم پہ ہوں ـــ پھپھو ہم کاکلوں کو ابا کی وصیت میں میرے ہم کر گئے تھے اور وہ بھی جیتے جی ـــ امی کے جانے کے بعد پھپھو بھی گھوٹا تیار نہیں تھیں یہ وہ ہونے کے لیے ـــ ابا نے اپنا اور ان کاکلوں کا دیکھا اور انہیں تین بچوں سمیت گھر لے آئے کہ ان کے بچے پل جائیں گے اور پھپھو کو سہارا مل جائے گا۔

انہوں نے صرف سوچا نہیں پھپھا بلکہ ابا کی محبت کی کمائی کا ایک بڑا حصہ بھی چھانے لگیں ـــ میں چھوٹا تھا مگر سب دیکھتا اور سمجھتا تھا کہ کس طرح پھپھو دو کلو دودھ میں سے ڈیڑھ کلو اپنے اور اپنے بچوں کے لیے الگ کرنے کے بعد بچا کھچا آدھ کلو میں پانی ملا کے اسے ہم دونوں بھائیوں اور ابا کی کے لیے ڈھک کے رکھ دیتی تھیں۔

کیے بھنا گوشت ایک پیالی میں منتقل ہونے کے بعد ان کے بچے پلیٹ بھر بھر کے لے جاتے تھے اور ہم دونوں بھائی پیالی کے پیندے سے لگا ہوا تیل اور کبھی کبھار ہڈی کے ٹکڑے پہ گزارا کرتے تھے۔ ہمارے لیے انڈے کی زردیوں سے بچا سفید حصہ ہی آتا تھا۔ کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا کہ ہمارے حصے کے انڈے کے تینوں ٹکڑے کے پیڑے آتے۔

کڑواہٹ کو اگل بھی دیا کرتا تھا جس کی وجہ سے پھپھو مجھ سے خاصا خار کھاتی تھیں ـــ جب موقع ملتا کھری دھنائی کر کے رکھ دیتیں۔ خورشید بھائی مجھ سے پانچ سال بڑے تھے "وہ بیچارے میری دھلائی کیا بچاتے پھپھو مجھ سے کہیں زیادہ دیتے تھے پھر بھی ان کا کام غنیمت تھا" پھپھو ان کے سامنے مجھے اور میرے سامنے ان کو زدوکوب کرنے سے گریز ہی کیا کرتیں اور کبھی اشد ضرورت پڑ بھی جاتی تو "ہتھ ہولا" رکھتیں کہیں برادرانہ محبت امنڈ نہ آئے اور ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہنگامی طور پہ باغی نہ بن جائے اور جب خورشید بھائی بھی نہ رہے تو پیچھے پھپھو کو کھل کھیلنے اور من مانی کرنے کا پورا موقع مل گیا۔

ابا کی جوان بیٹے کی اچانک وفات کے بعد اور بھی اپنے آپ میں سمٹ گئے ـــ گھر میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں ـــ میں ان کا اکلوتا بیٹا کس حال میں ہوں یہ جاننے کی انہیں چنداں فکر نہیں تھی۔

مکان کے اوپر والے حصے کا کرایہ کہاں جاتا ہے کہ وہ یہ جاننے کی فکر کرتے ـــ نہ اس بات پر پریشان ہوتے کہ میں سترہ سال کا ہونے کے باوجود اب تک میٹرک میں کیوں پھنسا ہوا ہوں ـــ جبکہ مجھ سے دو سال چھوٹا پھپھو کا منجھلا سپوت ـــ جو سپوت کم اور سنپولیا زیادہ لگتا تھا وہ سیکنڈ ایئر میں تھا۔

پھپھو کی سب سے چھوٹی بیٹی، دور اصل اکلوتی بیٹی بھی تھی "ساتویں میں پڑھتی تھی اگرچہ پڑھائی کے معاملے میں وہ مجھ سے مجھ پر بڑی تھی کہ تین سال ایک ہی کلاس میں لگا دیے تھے اس نے ـــ مگر اس کے اور میرے ایک ہی کلاس میں ڈٹے رہنے کی وجوہات قطعاً "مختلف تھیں ـــ مجھے پڑھنے کا نہ وقت ملتا تھا نہ حالات سازگار تھے۔ سارا دن پھپھو مختلف چھوٹے بڑے کاموں کے لیے دوڑائے رکھتیں۔

رات کو جان بخشتیں تو ہوم ورک کر کے پڑھنے کے قابل نہ رہتا پھر کسی نہ کسی وجہ سے اس کا بھرا ہوا کاسہ آنسوؤں کی دھند کے سامنے کتاب کے حروف نظر ہی نہ آتے جبکہ سویرا کو گھر پہ پڑھانے آتا تھا تب بھی

میں اب تک سمجھ نہ پایا تھا کہ پھپھو مجھ اور سویرا کی غیریت مجھے زیادہ کھلتی تھی یا سویرا کی اپنائیت نے زیادہ آٹھ آٹھ آنسو رلایا تھا مجھے۔

میں جتنا اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی دوستی کے دعوے کرتا اور نزدیک ہوتا۔ پتہ نہیں یہ سب کر کے اسے کیا ملتا تھا ـــ پھپھو سے الگ پھٹکار ملتی مجھ سے ہمدردی جتانے پہ ـــ ہاں ایک موقع ایسا آیا تھا جب مجھے اس کا دم غنیمت محسوس ہوا اور وہ وقت تھا میرے یتیم ہونے کا۔ ابا جی کی وفات پہ ایک اسی کا کاندھا تھا جس پہ سر رکھ کے میں نے زندگی بھر کے آنسو بہا ڈالے تھے۔ اس کے بعد میرے دل میں چاہے کتنی بھی بارشیں ہوئی ہوں مگر آنکھیں سدا خشک ہی رہیں۔

☼ ☼ ☼

"قیصر ـــ بات سنو۔"

سویرا کی آواز پہ میں برے برے منہ بناتا پلٹا ـــ اور پلٹتے ہی میرا منہ اور بھی برا بن گیا۔ میرون کلر کے فلنگ والے سلک کے سوٹ اور فل میک اپ میں وہ حد سے زیادہ بری لگ رہی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" ناک چڑھا کر پوچھے گئے سوال کا جواب میں نے بھی مقدور بھر ناک چڑھا کے دیا۔

"کیوں؟ تمہیں بتا کے جانا ضروری ہے؟"

ہاتھ بھر کی تو تھی وہ ـــ چار فٹنی ـــ اس سے میں کیوں دبتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ چلا کے پھپھو کو میری شکایت لگا سکتی تھی۔ سجاد کی طرح گریبان پکڑ کے جھٹکے تو نہیں دے سکتی تھی اور رہیں پھپھو تو میں اب ان کے ہاتھ کم ہی آتا تھا ـــ نہ ان میں اتنی ہمت رہی تھی کہ وہ میرے پیچھے چپل اٹھا کے بھاگ سکتیں نہ میں ایسا دبو رہا تھا کہ ان کی دھاڑ سن کر سکتے میں آ جاتا۔ ان کا بس اب اسی حد تک چلتا تھا کہ وہ بلا تکان مجھے کوسنے اور بد دعائیں دیتی رہتیں یا میرا کھانا بند کر دیتیں۔ اب چونکہ جیب تو میری ہر وقت خالی رہتی تھی "دو وقت کے

ہوئے وہ مسلسل اجنبی اجنبی سی لگ رہی تھیں۔
"سب کے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔"
"میرے لیے؟"
"ہاں تمہاری پسند کے فرنچ ٹوسٹ۔"
"لیکن مجھے تو فرنچ ٹوسٹ زہر لگتے ہیں۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا اور پھر میں بچاؤ کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہیں پھر کے پھوپھو کچھ دے ہی نہ ماریں۔
"تو پھر اٹھا کھالینا۔۔۔ قے کرلینا؟"
"قے؟۔۔۔ میرا؟" مجھے لگا' سننے میں غلطی ہوئی ہے اور پھوپھو نے میرا قیمہ بنانے کی دھمکی دی ہے۔
"تو اندر کو۔" وہ میرا بازو دبوچ کے مجھے کچن لے گئیں۔
فریج کے نزدیک رکھی چھوٹی سی ٹیبل کے گرد رکھی تین کرسیوں میں سے ایک پہ مجھے بٹھایا' جو آج سے پہلے ان کے تین ہونہاروں کے لیے مخصوص تھیں اور گرما گرم سرخ سرخ قیمے والے پراٹھے کے لقمے ملائی والی دہی میں ڈبو ڈبو کے خود میرے منہ میں ڈالے۔
ہکا بکا ہونے کی وجہ سے میرا منہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا اس لیے کم از کم انہیں منہ کھولنے پہ اصرار نہ کرنا پڑا۔ بعد میں دودھ پتی کا فل سائز مگ۔۔۔
"لو۔۔۔ کچھ کھایا پیا کرو۔۔۔ پڑھتے ہو تمہیں تو اچھی خوراک کی ضرورت ہے۔"
"پھوپھو!" میں نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے یاد دلانے کی کوشش کی۔ "میں پچھلے آٹھ دس سالوں سے پڑھ رہا ہوں۔"
"ہاں تو کیا ہوا۔۔۔ ہر سال ایک نہ ایک کلاس تو نکال ہی لیتے ہو۔۔۔ شرمندہ ہوئے بغیر بولیں۔
"ساری عمر میں ان بالشتوں کے پیچھے بھاگتی رہی۔۔۔ نہ بیٹی کسی کام کی نہ بیٹے ہمدرد۔۔۔ ان سے اچھے تو تم ہو۔۔۔ آج تمہاری عقل اور ذہانت کی۔۔۔"
"آج؟" میں سوچ میں پڑ گیا۔ "آج میں نے ایسا کیا کیا ہے پھوپھو؟۔۔۔ ہاں کل آپ کا دوپٹہ ضرور میں کروا کے لایا تھا۔"
"میرا بچہ۔۔۔ کتنا بھولا' کتنا سادہ۔۔۔ کتنا سیدھا ہے۔" وہ چٹاچٹ میری بلائیں لینے لگیں۔
پھر یہ عقدہ بھی جلد ہی کھل گیا۔
ابھی میں اس نئے نویلے لاڈ اور پیار کے مزے ہی نہ لوٹ پایا تھا۔۔۔ فی الحال حیرت کے پہلے مرحلے میں سے ہی ابھرنے کی سعی کر رہا تھا کہ پھوپھو نے تربیت باندھ کے مجھے الرٹ کر دیا۔
"تم سے اپنے دل کی بات نہ کروں تو کس سے کروں۔ تمہارے علاوہ اور کون ہے اس گھر میں میرا سچا ہمدرد۔۔۔ قسم سے اتنی پریشان تو میں تب بھی نہ تھی جب سجاد کے ابو گزرے تھے۔"
"جی' وہ تو مجھے پتہ ہے۔" میں نے متانت سے سر ہلایا۔ وہ قدرے چونکیں کسی طنز کا شائبہ میرے چہرے سے تلاشنے کے لیے گھوری ڈالی' جواب میں میں نے تھوبڑے کو اور بھی مسکین اور برخورداروں والا بنا لیا' جس پہ مطمئن ہوتے ہوئے وہ مزید کہنے لگیں۔
"سویرا نے جو کالک تھوپی ہے' سوچتی ہوں اس کے بعد کون اسے اپنائے گا۔۔۔ کہاں کروں گی میں اس کلموہی کی شادی۔"
"کسی کو پتہ نہیں چلا ہے پھوپھو!" میں نے اطمینان سے ان کا خاص الخاص میرے لیے بنایا حلوہ ٹھونستے ہوئے کہا۔
"جہاں مرضی کردیں اس کلموہی۔۔۔ میرا مطلب ہے سویرا کی شادی۔"
"نہیں بیٹا! ایسے معاملوں کی بھنک تو پڑ ہی جاتی ہے اور وہ مردود۔۔۔ وہ سراگر کل کلاں کو وہ پھر سے منہ نکال آیا اور سویرا کی شادی شدہ زندگی میں دخل دینے لگا تو پھر؟"
"ہاں یہ تو ہے۔" میں نے چمچہ بھر کے منہ میں ڈالتے ہوئے تائید کی۔
"آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے۔" میرے بیان پہ پھوپھو کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

"واقعی۔۔۔ یہ تو سوچنے والی بات ہے' بھلا گھر بسے گا کوئی اس لڑکی سے کون شادی کرے گا۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔" پھوپھو نے فوراً" کہا اور پھر کچھ ہچکچاتے' کچھ شرماتے ہوئے وضاحت کی۔
"کوئی ایسا۔۔۔ جس کا دل ہیرا ہو۔۔۔ ہمدرد ہو۔۔۔ احسان فراموش اور نمک حرام نہ ہو۔"
میرے کان بھی کھڑے ہوئے اور رونگٹے بھی۔۔۔ ایک سیکنڈ میں میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔
میں نے حلوے کی پلیٹ سائیڈ پہ رکھی۔۔۔ منہ میں جو باقیات تھیں' ان کی مٹھاس کو کڑواہٹ میں بدلتے محسوس کیا اور ایک کڑوا گھونٹ لے کر ہکا بکا سا کھنکارا۔
"پھوپھو! میری ناقص رائے کے مطابق آپ کو جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا چاہیے۔ بات کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ سویرا پہ اس وقت عشق کا بھوت سوار ہے۔ آپ دل کے ہیرے یا شکل کے زرقون والے کو بھی لا کے اس کے سامنے کھڑا کر دیں گی تو اسے نہ جچے گا۔ وہ اس وقت اپنے اسی پھٹیچر ہیرو کے لیے پاگل ہو رہی ہے۔ میری مانیں تو اس کا دل رکھ لیں اور اپنی عزت۔ اسی ٹیوٹر سے شادی کردیں سویرا کی۔"
"سوچا تو میں نے بھی یہی تھا حالانکہ وہ چونٹیوں بھرا کباب وہ مردود۔۔۔ پینتیس سال کا آدھا گنجا' جس نے نجانے میری بھولی بھالی' معصوم سی بچی کو کون سے تعویز گھول کر پلائے تھے جو وہ اس کی باتوں میں آگئی۔"
"وہ کیا پلائے گا' یہی معصوم' بھولی بھالی روز پپی میں نمکو گھول کر پلاتی تھی۔" میں سوچ کے رہ گیا۔
"وہ بچتا تو نہیں میری سویرا کے ساتھ لیکن میں نے سوچا چلو سویرا کی خوشی اسی میں ہے تو یہی سہی۔۔۔ دل جائے گدھے پہ تو ایرا کیا چیز ہے۔ اسی کو داماد بنا کے صبر شکر کرلوں گی۔ کم از کم عزت تو رہ جائے گی لیکن سجاد کی جلد بازی اور گرم مزاجی نے معاملہ خراب کردیا۔ اس نے چار دن تھانے میں بند کر کے اسے وہ پھینٹی لگوائی ہے کہ اب وہ سویرا کا نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔
میں گئی تھی اس کے پاس۔۔۔ مگر وہ مجھے پہ ہاتھ نہیں رکھنے دیتا۔ کہتا ہے' جس کا بھائی اتنا ہتھ چھٹ ہو' اس سے شادی کر کے میں نے مرنا ہے کیا؟"
"یہ تو ہے پھوپھو! سجاد بھائی کو شاید ہی کوئی سالا بنانے کی غلطی کرے' کوئی پاگل ہی ہوگا۔" میں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں انہیں کچھ باور کرانا چاہا۔ وہ جز بز ہوئیں۔
"اب ایسا بھی خونخوار نہیں ہے۔ بہن کو بھگانے والے کا یہی حال کرنا تھا اس نے۔۔۔ ہاں البتہ بہن کو بیاہنے والا تو اس کے لیے قابل احترام ہوگا۔ بہنوئی کی تو عزت کرے گا ہی۔۔۔ تم دیکھنا۔۔۔ ذرا شکایت نہ ہوگی تمہیں۔" وہ کھل کے سامنے آگئیں۔۔۔ میں اچھل کے رہ گیا۔
"مگر پھوپھو۔۔۔"
"اگر مگر نہ کرو اب۔۔۔ میرے بیٹے ہو تو بیٹا بن کے دکھاؤ۔" انہوں نے میرا گلا ایسے لاڈ سے پکڑا جیسے میرے انکار کے بعد نوچ کے رکھ دیں گی۔
"میں نے۔۔۔ میں نے سویرا کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔" وہی لولا لنگڑا بہانا جو کزن سے شادی سے بچنے کے لیے عموماً" کام آتا ہے۔
"یہ تو تمہاری شرافت ہے' دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔"
"میں۔۔۔ میں کہاں اس کے قابل۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ کہاں وہ۔۔۔ کہاں میں۔"
"کوئی بات نہیں۔۔۔ زندگی' موت کا معاملہ ہو تو مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ تم تو پھر بھی۔۔۔" دانستہ وہ بات ادھوری چھوڑ گئیں۔
"سویرا ابھی نہیں مانے گی۔" ایک اور عذر جلدی سے تراشا۔ "نہ اس کا دل راضی ہوگا اور میں زبردستی کسی کو۔۔۔"
"ایسی کی تیسی اس کی مرضی کی۔" پھوپھو نے میری بات کاٹ کر دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔
"دکھاوی ہے میں نے اسے اس کے۔۔۔ کی اصلیت۔۔۔ دیکھ کر بیٹھ گئی ہے اب وہ۔۔۔ جہاں میں کہوں گی

وہیں سر جھکا دے گی۔"

"یہ..... یہ ظلم ہے پھوپھو!" میں کراہا۔

"یہ اس کی سزا ہے۔"

"میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ یہ مجھ پہ ظلم ہے۔ مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ سبق آپ اسے سکھانا چاہتی ہیں یا مجھے۔"

"کیا مطلب؟" میرے ہمت کر لینے کے باوجود انہیں یقین نہ آیا کہ میں انکار کر رہا ہوں۔

"تم..... کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ میں سویرا سے شادی نہیں کروں گا۔" دل کڑا کر کے میں نے کہہ دیا۔

"تمہاری اوقات ہے انکار کی۔" وہ اپنی اصل جون میں آ گئیں۔ "تم دو ٹکے کے انسان..... ہمارے ٹکڑوں پہ پلنے والے..... میری چاند سی بیٹی کے لیے تم انکار کرو گے؟ تم؟ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ احسان مانو جو سویرا جیسی لڑکی مل رہی ہے۔"

"پہلے تو یہ غلط فہمی دور کر لیجئے کہ میں آپ کے ٹکڑوں پہ پل رہا ہوں۔ یہ گھر میرا ہے..... اور جس اسٹور پہ سجاد بھائی بیٹھتے ہیں وہ بھی ابا جی کا ہے۔ ٹکڑوں پہ آپ پل رہے ہیں۔"

یہ ہمت شاید پچھلے دو دن سے ملتے ترمال کی وجہ سے آئی تھی۔ دیسی گھی میں ڈوبے پراٹھے، یخنی، حلوے اور پھل کام آ رہے تھے۔

میرے تڑی لگانے پر پھوپھو پراسرار طریقے سے مسکرائیں۔

"بچے، وہ گھر اور دکان سالوں پہلے سجاد کے نام بیچ چکے ہو تم۔"

"بیچ چکا ہوں؟ مگر کب؟ کیسے؟" میں بھونچکا رہ گیا۔

"کب کیسے والی بات جانے دو۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا یہ کھیل۔ ہاں ثبوت کے طور پہ بکے کاغذ دکھا سکتی ہوں تمہیں۔ شاید تمہیں یاد آ جائے کہ تم نے ان پہ کب سائن کیے تھے۔ مگر ان سب کا کیا فائدہ حاصل بحث تو یہ ہے کہ اب تم مکمل طور پہ ہمارے رحم و کرم پہ ہو۔ کہاں جاؤ گے ہم سے بگاڑ کر۔ داماد بن کے رہو اور مزے کرو۔"

"اب تو ہرگز نہیں۔ یہ جاننے کے بعد تو بالکل بھی نہیں کہ آپ لوگ صرف سنگدل اور مطلب پرست ہی نہیں، دھوکے باز اور جعلساز بھی ہیں۔"

میں نے اپنے دو چار سوٹ اٹھائے، بیگ میں ٹھونسے اور نکلنے لگا۔

"جا رہے ہو تو یہ سن لو کہ یہاں سے کوئی منانے نہیں آئے گا، ہاں دو مہینے دیتی ہوں، دو مہینے کے اندر اندر خود لوٹ آئے تو چپ چاپ بغیر کسی سوال جواب کے تمہارا نکاح سویرا سے پڑھا دوں گی ورنہ شکل بھی نہ دکھانا اپنی۔"

میں رکا..... ایک زہر خند نظر ان پر ڈالی..... ان کا چہرہ، آج سے پہلے مجھے کبھی اتنا مکروہ..... اتنا بھیانک نہیں لگا تھا۔

"نہیں آؤں گا..... کبھی بھی نہیں۔" میں اتنے یقین سے بولا کہ ان کی شیطانی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی..... شاید ان کی یہ خوش فہمی کمزور پڑنے لگی کہ میں کبھی ہار مان کے واپس لوٹوں گا۔

☆ ☆ ☆

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا..... کبھی بھی نہیں۔"

اپنے واحد دوست کامران کی منت سماجت کرنے کے بعد مجھے بمشکل اس کے گھر چند دن سر چھپانے کی جگہ ملی تھی اور ابھی میں اس اسٹور نما کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ سفیر آ گیا۔ وہ میرے اکلوتے دوست سے بھی واقف تھا اور اس کے ٹھکانے سے بھی۔ اسی لیے سیدھا وہیں چلا آیا اور میں نے بھی اسے دیکھتے ہی چلا کر اعلان کر دیا۔

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا..... کبھی بھی نہیں۔"

"تمہیں لینے کون آیا ہے۔" سفیر نے منہ چڑایا۔ "یہ لو..... پکڑو۔" اس نے ایک اخبار مجھے تھمایا۔

"پکڑ لیا..... اب جاؤ۔"

"صرف پکڑو نہیں..... پڑھو بھی۔"

"میرے گھر چھوڑنے کی خبر چھپ بھی گئی؟"

"اوہ۔۔۔ اس میں پیچھے ایک اشتہار کی وجہ سے آیا ہوں میں۔ اسے پڑھ کر اور اس کے بارے میں سوچ۔ کب تک دوست کے گھر پڑے رہو گے اور وہ بھی اپنے کزن دوست کے گھر۔ وہ گھر آئے مہمان کو ایک گلاس پانی پلانے کا روادار نہیں ایک گھنٹے کا راستہ ہے۔۔۔ مر رہا ہوں پیاس سے۔"

"اشتہار۔۔۔" میں نے زیر لب دہراتے ہوئے اظہار کیا۔

"جی ہاں۔۔۔ آپ نے درست پہچانا۔۔۔ یہ وہی اشتہار تھا جس نے میری زندگی بدل دی۔۔۔ میں پھر سے جی اٹھا۔"

☆ ☆ ☆

"ضرورت ہے ایک گیٹ کیپر کی۔۔۔ اسلحہ لائسنس ہونا لازمی ہے تجربہ بھی ہے۔"

"کمال ہے۔۔۔" میں نے اس پر کمنٹ لگایا "دوسرے اشتہار پر نظر دوڑائیں۔۔۔ وہ کسی ضرورت برائے خانساماں کا تھا۔"

"ارے ہاں۔۔۔ اچھا خیال کیا ہے۔ سفیر نے۔ اب میری کی تو اوقات رہ گئی ہے کہ میں چوکیداری یا خانساماں گیری کروں۔"

چند ایک اور اشتہار بھی تھے لیکن وہ ان سے بھی زیادہ تضحیں نوعیت کے تھے کہ بیگم کے آس پاس بھی نہیں پھٹکتی تھی۔ میں نے فوراً سفیر کا نمبر ملایا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

"خراب تو اب تمہارا ہو گا کہ۔ سنا ہے پیسہ اچھے اچھوں کا دماغ خراب کر دیتا ہے۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے پیسے پر۔۔۔ مجھے نہیں ہو گیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر۔۔۔ کام کی نوعیت تمہیں پسند نہیں آئے گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں بھی کسی کو کہہ دوں۔"

"کرنا پڑتا ہے دوست۔۔۔ مجبوری ہے۔"

"ہاں۔۔۔ مجبوری۔" میں نے لمحاتی سانس بھری۔

"شاید۔۔۔ ٹھیک کہتے ہو تم۔۔۔ مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔"

"چلو تم راضی ہو۔" وہ چہکا۔

"راضی۔۔۔ ہونا پڑے گا۔ زندہ رہنے کے لیے کچھ تو کرنا پڑے گا ورنہ تمہاری والدہ اور بھائی نے تو ہمیں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اسے طعنہ دے دیا۔

"اس طعنے بازی میں وقت ضائع کرنے کے بجائے تم انٹرویو کی تیاری کرو۔ تمہارے جیسے نجانے کتنے پیچھے ہوں گے ہمارے۔ مقابلہ سخت ہے یار۔"

"لیکن یار میں چلا تو جاؤں۔۔۔ ضروری تو نہیں کہ سلیکٹ بھی ہو جاؤں۔"

"کیوں تم میں کس بات کی کمی ہے؟"

"عمر کی۔ تجربے کی اور ہاں لائسنس اور سرٹیفکیٹ کی بھی۔"

"کیا مطلب؟ کیسا لائسنس؟ کیسا سرٹیفکیٹ؟"

"اسلحے کا لائسنس۔"

"اوہ۔۔۔" وہ چیخا۔۔۔ جیسے کسی نے اسے سولی چڑھا دیا ہو۔

"اور کلنگ کے سرٹیفکیٹ۔۔۔ وہ کہاں سے لاؤں گا۔ ٹھیک ہے پھوپھو اپنے ساتھ پکن میں لگائے رکھتی ہیں مگر پچھلے پچھتر سالوں ان کی خدمتگاری کے باوجود میں نے کبھی نہیں سنا کہ۔۔۔ صرف آٹا گوندھتے، روٹی پکاتے، الجھے قرائی کرتے، بریڈ ٹوسٹ کرتے اور چائے بناتے پر وہ مجھے خانساماں رکھتے ہے تو رہے۔ اسی طرح گیٹ کیپر کے لیے۔۔۔ صرف لائسنس شدہ اسلحہ کا ہونا ضروری ہے کیا۔ عمر بھی وہ پچیس سے پینتالیس سال مانگ رہے ہیں ساتھ دس سال کا تجربہ۔

اس کی شکل دیکھنے کے بعد لگے۔ ظاہر ہے وہ کہہ دیتی فضیص اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے بھتیجے نعیم الدوارث کے لیے اور معمولی حیثیت یافتہ فضیص کو پسند کرے گا۔ اندازہ کر کہ اس کی بیٹی کن صفات کی مالک ہو گی۔ نشانی؟ کافی بہتر کہ کوئی انگلیاں ٹیڑھی ہو سکتی ہے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے فضیص اس کی شکل و صورت میں نہیں عادتوں میں ہو۔ ہتھنی کی شکل ہو۔"

"نہیں نہیں۔" میں گھبرا گیا۔

"اللہ کی بنائی شکل و صورت میں کوئی دخل نہیں ہوتا کر کے گزارا کر سکتا ہوں مگر کردار میں کمی برداشت نہیں۔"

میں یہ تہیہ کر کے گیا تھا کہ اگر تو قسمت مہربان ہو گئی اور اس تجربہ پر بس باپ نے مجھے بلوا لیا پسند کر لیا تو میں ترسے ہوؤں کی طرح پاؤں پڑ لیا ناسہ پامال کے نہیں دیکھ پاؤں گا کہ۔ آخری فیصلہ لڑکی سے ملنے کے بعد کروں گا۔ اسے اچھی طرح سے جانچنے پرکھنے کے بعد۔ اگر تو وہ کروڑ پتی اپنی تک پہنچی بھی کسی حد تک آواز اور بھدورا صفت بیٹی کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے تو میں صاف انکار کر دوں گا۔

شیخ چلی کی طرح منصوبے بناتے بناتے بالآخر میرا نمبر بھی آ ہی گیا۔ بیٹی کی ناٹ درست کرتے ہوئے میں اندر داخل ہوا۔

"ہوں۔۔۔ تو پیسر محمود۔۔۔ کوائف تو تمہارے پڑھ لیے ہیں میں نے کچھ خود اپنے بارے میں بتاؤ؟"

"اس پچپن پچپن سالہ۔ چھ فٹ کے صحت مند اور گرفت صورت شخص نے گمبھیر اور رعب دار آواز میں پوچھا جو میرے بالکل سامنے قیمتی کرسے صوفہ میں ٹانگ پہ ٹانگ دھرے بیٹھا تھا۔ بیش قیمت سگار ہونٹوں میں دبائے۔۔۔ وہ کریم بخش رند حلوائی تھے۔

"جی میں۔۔۔" میں نے خشک ہوتا گلا تھوک نگل کر گیلا کرنا چاہا۔ سب کچھ ان کے ہاتھ میں تو تھا۔ اب خود سے کیا بتاتا۔

"سگریٹ پیتے ہو؟"

UrduPhoto.com

"نہیں بالکل نہیں۔"
"شراب؟"
"لاحول ولا۔۔۔"
"میڈیکل ریکارڈ کیسا ہے؟"
"بہت اچھا۔۔۔" اس سوال کا جواب میں نے فخریہ دیا۔
"بیماتا بیٹس، دمہ، شوگر وغیرہ؟"
"نہیں بالکل بھی نہیں۔" میں نے سینہ پھلایا۔
"تم نے کوئی میڈیکل رپورٹ فسلک نہیں کی اپنے کوائف کے ساتھ۔ اپنی دے میں کچھ نوٹ لکھ کے دیتا ہوں۔ میری تسلی کے لیے وہ کروالو۔"
"جی۔۔۔ نوٹ؟"
"کچھ بلڈ ٹیسٹ ہیں، گھبراؤ نہیں۔۔۔ وہ ٹیسٹ نہیں ہیں جن کے رزلٹ اور سرٹیفکیٹ اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں۔"
انہوں نے میری میٹرک کی سند اور بی اے کی سند پہ ایک حقیر آمیز نظر ڈالتے ہوئے انہیں کسی بے کار سی چیز کی طرح ٹیبل پہ پھینکا۔۔۔ جن پہ بڑا واضح سی گریڈ لکھا ہوا تھا۔
اس انٹرویو میں انہوں نے مجھ سمیت تین اور لڑکوں کو اگلے مرحلے کے لیے سلیکٹ کیا تھا اور وہ تینوں بھی میری طرح مکمل فیملی اور بے روزگار تھے۔ پتہ نہیں ان کا معیار کیا تھا۔۔۔ ہم چاروں ایک ہی ایب میں ٹیسٹ کروانے بھیجے گئے اور قسمت کی بات کہ میری تمام رپورٹس ان کے مقابلے میں کریم بخش صاحب کو کہیں زیادہ تسلی بخش لگیں۔
یعنی مجھے انہوں نے اپنا داماد۔۔۔ بلکہ گھر داماد بنانے کا فیصلہ ظاہر کردیا۔ میں نے ان کی تسلی کے لیے ان کی جانب سے ساری تسلی کرلینا میرے کیریئر کا حق ہے۔
تم کوئی تیس مار خان ہو۔ تم سے زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ خوش شکل اور زیادہ بہتر۔۔۔ تعلیم یافتہ اور خوش شکل زیادہ ہونے والی بات تو سمجھ میں آگئی مگر یتیم زیادہ ہونے والی اصطلاح سر سے گزر گئی۔
"یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ میڈیکلی تم ان سب سے زیادہ فٹ ہو۔ یعنی تمہاری واحد کوالی فکیشن یہ ہے۔ اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم اپنی اس اکلوتی صلاحیت اور قابلیت کو کب تک اور کس حد تک برقرار رکھتے ہو۔ سگریٹ نہیں پیتے۔ اچھی بات ہے مگر کبھی پیو گے بھی نہیں۔ مگر پابندی دوسری چیزوں کے بارے میں بھی ہے اور ذرا کسی خوش حال گھرانے پہ ان رشتے داروں کے پاس جاتے ہو عموماً" دل ہوسکتا ہے جن سے دھتکارے گئے ہوں، یہ غلطی مت کرنا۔"
میں نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔
"اس قسم کے مطلبی اور لوتا چشم رشتے دار سوائے دل کی بیماریوں اور ہائی بلڈ پریشر کے کچھ نہیں دیتے۔"
"جی۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔"
میں ان کی شخصیت کے رعب میں یہ بات بالکل فراموش کر گیا کہ میں ان کی صاحبزادی کو دیکھنے، جاننے، پرکھنے کا فیصلہ کرکے یہاں آیا تھا۔ یہ بات تب یاد آئی جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ چار دن۔۔۔ صرف چار دن کے اندر اندر انہوں نے شادی کی سب تیاری اور انتظامات مکمل کرلیے۔
ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں تقریب تھی۔۔۔ نکاح اس سے پہلے اسی صبح گھر پہ ہوا تھا۔ میرا بڑا دل چاہا اس موقع پہ پھوپھو کو بلوا دوں انہیں دکھاؤں کہ شہر کے چند نامی گرامی افراد میں سے ایک 'کریم بخش رندھاوا' میرے سر بننے جا رہے ہیں۔ جنہوں نے بڑے فخر سے مجھے کہا تھا۔
"سمر کرو، میں اپنی سوہرا کی شادی تم سے کر رہی ہوں ورنہ تمہاری حیثیت کیا ہے، دو کوڑی تمہیں اپنی بیٹی

اب میں انہیں اپنی حیثیت دکھانے کو مچل مچل رہا تھا ساتھ ساتھ رندھاوا صاحب کی وارننگ بھی یاد آ رہی تھی۔ جو انہوں نے واضح الفاظ میں دی تھی۔
اپنی خاصے زیادہ شناس اور تجربے کار شخص تھے۔ ہمکار بیٹھے ہوئے رشتے داروں کو ضرور یاد کروں گا۔
میں نے بڑی مشکل سے دل میں امنڈنے والی اس خواہش کو دبایا۔ میری جانب سے صرف کامران اور فرحانہ شریک ہوئے۔
"ویسے بھی وہ خاصی حسین ہیں۔"
کامران کی سرگوشی پہ میں نے پہلی بار دھیان دیا دلہن بنی گم تھا۔
"حسین؟" میرے کان کھڑے ہوئے اور ساتھ ہی بیٹی کی شکل یاد آئی۔
"ہو سکتا ہے نقص اس کی شکل و صورت میں نہیں مزاج اور عادتوں میں ہو۔"
میں نے بھی پنک اور مور کلر کے کنٹراسٹ کا لہنگا شرارہ پہنے اسٹیج پہ بیٹھی اپنی تین گھنٹے پرانی بیوی کو ترس سے دیکھا۔
بوٹا سا قد۔۔۔ دودھیا رنگت۔۔۔ تراشے ہوئے خدوخال۔۔۔ غزالی آنکھیں۔
"یا اللہ! کہیں سفیر کی بات سچ نہ ہو جائے۔۔۔ اتنی بدصورت بیٹی کی شادی تب ہی کوئی اخباروں میں اشتہار دے کر مجھ جیسے لاوارث، بے روزگار سے کرتا ہے جب وہ سانپ کے گلے میں چھچھوندر ثابت ہو رہی ہو۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"
میں نے اس کے دلکش چہرے سے نظر ہٹا کے اس کے دودھ پہ ڈالی میرے دل میں شدت سے خواہش پیدا ہوئی کہ کاش پولیو سے اس کی ٹانگیں مڑیل اور پیر مڑے ہوئے نظر آئیں۔ مگر دودھ گلابی گلابی سے نرم پیر سنہری پینڈل کے فیتوں میں قید نظر آئے۔۔۔ میں نے پرے کے آس پاس بیساکھی یا وہیل چیئر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔۔۔ وہ بھی ناپید۔
"شاید گونگی یا بہری ہو۔" دل نے ایک اور سہارا ڈھونڈا اور اسی پل اس کی کسی دوست نے جو اس کے برابر ہی بیٹھی تھی؟ اس کے کان میں سرگوشی کی جسے سن کر وہ نہ صرف شرمائی۔۔۔ مسکرائی بلکہ آہستہ سے جواب میں کچھ کہا بھی۔
"اب بس بھی کرو۔ پہلی بار ضرور دیکھ رہے ہو مگر آخری بار نہیں۔" کامران ہنستے ہوئے زہر لگ رہا تھا۔
"قیصر۔۔۔" سفیر نے مجھے بعد میں تنہا پا کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دل سوزی سے کہا۔
"دیکھو۔۔۔ سسرال کو اپنا گھر سمجھنا، ہماری ناک نیچی نہ ہونے دینا۔ اب تمہارا جنازہ ہی اس گھر سے اٹھنا چاہیے۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو؟" میں ہتھے سے اکھڑ گیا۔
"میں مذاق نہیں کر رہا۔ یہ اب تمہاری زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ پہلا اور آخری موقع خود کو ثابت کرنے کا۔ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔"
اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مجھے میری اوقات یاد دلادی۔ واقعی میں تو ایک گیٹ کیپر یا خانساماں کی نوکری حاصل کرنے کے اہل بھی نہیں تھا۔
میں نے ایک حسرت بھری نظر اس کے دلہنا پے سے سجے روپ پہ ڈالی اور سرد آہ بھر کے سر جھکا لیا۔ نجانے اس حسین و دلکش چہرے کے پیچھے سے میرے لیے کیا برآمد ہونے والا تھا۔
میں نے ڈرتے ڈرتے تجلہ عروسی میں قدم رکھا۔۔۔ بہت سی فلموں اور ڈراموں میں دیکھے سین یاد آ رہے تھے جن میں ایسی خوب صورت امیرزادیاں اپنے باپ کے زر خرید دلہاؤں کے منہ پہ سگریٹ کے کش لگا کے دھواں چھوڑتی ہوئی انہیں عمر بھر نظر اور گردن نیچی رکھنے کی تلقین یا دھمکی دیتی نظر آتی تھیں۔
"یا اللہ! عزت رکھنا۔۔۔ اسے اتنا ہی خطرناک ظاہر کرنا جتنا میں برداشت کرسکوں، ویسے بھی تو کسی کو اس کی برداشت زیادہ آزماتا نہیں ہے۔"
رقت بھرے انداز میں دعائیں مانگتا میں اس کے قریب گیا۔ خلاف امید وہ بڑی شرافت سے گھونگھٹ گرائے بیٹھی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے گھونگھٹ اٹھانے کی جسارت کی۔۔۔ ایک اور توقع پہ پانی پھر گیا۔ وہ گھونگھٹ کے اندر چپکی سوئے نہیں لگا رہی تھی بلکہ

UrduPhoto.com

شرمیلے انداز میں مسکرا رہی تھی۔
"وہ۔۔۔" میں نے اسے پکارنا چاہا اور اچانک میری سٹی گم ہو گئی۔ حیرت انگیز طور پہ اس کا نام میرے حافظے سے دوڑ لگا چکا تھا۔
"کیا مصیبت ہے۔۔۔ کیا نام تھا اس کا روبینہ ثناء۔۔۔ مونا، حنا۔" میں ایک ایک کر کے کئی نام ذہن میں گنوانے لگا مگر کسی نام پہ ذہن میں جھماکا نہ ہوا۔
"اوہو۔۔۔ کون سا نام لیا تھا مولوی صاحب نے نکاح پڑھاتے ہوئے۔۔۔ آنسہ، آنسہ، آنسہ۔"
میں دہرانے لگا مگر آنسہ کے آگے کچھ یاد ہی نہ آ رہا تھا۔ میں چپکے سے اٹھا۔۔۔ الماری کی جانب بڑھا جس کے دراز میں صبح ہی میں نے نکاح نامہ رکھا تھا۔ دراز کھولتے ہوئے میں نے پلٹ کے دیکھا۔ وہ سر اٹھائے بڑی بڑی بادامی آنکھوں میں حیرت سموئے مجھے تک رہی تھی۔ اس سے نظر چراتے ہوئے الماری کے پٹ کی آڑ لے کر میں نے نکاح نامہ کھول کے اس پہ جلدی جلدی نظریں دوڑائیں۔
"آنسہ ہنزہ کریم۔۔۔ ولد کریم بخش رندھاوا۔"
ایک سکون بھرا سانس لیتے ہوئے میں الماری بند کر کے پلٹا۔ نام بھول جانے کی پاداش میں یہ نک چڑھی نخریلی امیرزادی نجانے میرا کیا حشر کر ڈالتی۔۔۔
"ہنزہ۔۔۔" میں نے لہجے میں ادب اور محبت کا مکسچر گھولتے ہوئے پکارا مگر عجیب گھگھیائی ہوئی سی غراہٹ نکلی۔
"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" بڑی ہی مدھر آواز میں اس نے پوچھا۔
"طبیعت۔۔۔ ہاں طبیعت تو ٹھیک ہے۔" میں صورت اور آواز کا ایسا حسین سنگم دیکھ کے ہی بوکھلا گیا۔
"پانی پیجئے۔" چہرے پہ گھبراہٹ کے تاثرات لیے وہ بیڈ سے اتری۔ چوڑیوں کی جھنکار اور جھانجھروں کی چھم نے میرے دل کی دھڑکن کو ایک الگ ہی تال دے ڈالی۔۔۔ ایک بوجھ سا روح سے ہٹتا محسوس ہوا۔
"پانی۔۔۔" حنائی ہاتھوں میں پانی کا گلاس لیے وہ میرے سامنے تھی۔
"آپ۔۔۔ آپ انکل رندھاوا کی حقیقی بیٹی ہیں؟" بڑے ہی ہونق پن کے ساتھ میں نے پوچھا۔
وہ ہنس پڑی اور آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔
"کیا یہ شادی آپ کی مرضی سے ہوئی ہے؟" میرے اس دوسرے سوال کا جواب بھی اس نے اسی پہلے والے انداز میں دیا۔
"پورے ہوش و حواس میں؟"
اس بار وہ شرمانے اور مسکرانے والی روایت کی ہیٹ ٹرک نہ کر پائی اور پانی کا گلاس میرے لبوں سے لگا دیا۔
"آپ کی طبیعت تو بہت خراب ہو رہی ہے۔"

☆ ☆ ☆

اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ اس اشتہار کے بعد میں جی کیسے اٹھا تھا۔
ہنزہ جیسی بیوی واقعی عطیۂ خداوندی تھی۔ اس میں وہ سب تھا جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اتنی خوبیاں کہ روز درجن بھر سامنے آتیں اور میں خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتا۔
وہ جتنی خوب صورت تھی، اس سے بڑھ کر خوب سیرت اور جس طرح گلاب کے ساتھ بے شمار کانٹے ہوتے ہیں اسی طرح میرے اس گلاب کے ساتھ ایک بڑا سا کانٹا تھا۔
کریم بخش رندھاوا۔۔۔ میرے سسر۔۔۔

☆ ☆ ☆

جتنے خدشات مجھے ہنزہ کے حوالے سے تھے۔ وہ سارے کے سارے مجسم ہو کر سامنے آئے مگر کریم بخش رندھاوا کی ذات سے منسلک ہو کر۔
شروع شروع میں تو وہ میرے لیے ایک پہیلی کی مانند رہے نہ میں ان کی طبیعت کو سمجھ پایا نہ مزاج کو۔۔۔ نہ اس بات کو کہ اپنی ہمہ صفت اور ہیرا سی بیٹی کے لیے جب ایک سے ایک عمدہ رشتہ مل سکتا تھا تو انہوں نے مجھ جیسے ماڑے بندے کا انتخاب کیوں کیا۔ لیکن

چہرا ایم سے محفوظ
خوبصورت جلد
سیاہی کیر
کلے سانہن جراثیم سے آلودہ ہو جاتے ہ
ہو جاتے ہیں۔
ہا پیک کیا گیا ہے جو ہمیں جراثیم سے
خوبصورت بنائے۔
ns free!

—یہاں سے بہت دور کسی ویرانے میں۔"

یہ کہنے کے بعد میں نے اس کے چہرے پہ ردِعمل تلاشنا چاہا۔ وہاں دہشت ہی اتر آئی تھی— آنکھیں پھٹ کر باہر آنے کو بے تاب تھیں۔ ہونٹ پھڑپھڑا رہے تھے۔

میں بری طرح گھبرا گیا۔

"یا اللہ خیر— میں نے کوئی غلط اطلاع تو نہیں دے دی؟ نہیں نہیں میں نے تو خاصے محبت بھرے لہجے میں یہ رومانٹک جملہ کہا ہے۔

محبت بھرا لہجہ تو یاد تھا' الفاظ نئے سرے سے یاد کرنے کے لیے میں نے اپنا ہی کہا فقرہ ذہن میں دہرایا۔

"دھت تیرے کی— "کہیں دور چلا جاؤں کے ساتھ میں "تمہارے ساتھ" کا اضافہ کرنا تو بھول ہی گیا۔

"مجھ سے ایسی کیا خطا ہوئی ہے قیصر— میں نے کیا کوتاہی کی ہے جو آپ مجھے یہ سزا دینا چاہتے ہیں؟"

"کچھ ہو— میں نے—"

"کیا میری محبت میں کوئی کمی رہ گئی ہے یا آپ کے دل میں ذرا سی بھی جگہ نہیں بنا پائی میں۔ جو آپ مجھ سے دور جانا چاہتے ہیں۔"

"میرا مطلب تھا' تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں یہاں سے بہت دور کسی ویران سی خوب صورت جگہ پہ—"

"ویران جگہ خوب صورت نہیں ہوتی۔"

"مگر خوب صورت جگہ ویران ضرور ہو سکتی ہے۔ اگر لوگوں کو اس کی خوب صورتی کے بارے میں پتہ نہ ہو اور وہ وہاں نہ آتے ہوں۔"

"ہاں— یہ تو ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"چلیں پھر؟"

"آپ سیکنڈ ہنی مون پہ جانا چاہتے ہیں۔" وہ شرمائی۔

"نہیں یہ کہنا بھی مون زیادہ سے زیادہ ایک مہینے کا ہو گا جبکہ میں ساری عمر کے لیے یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ دل اوب گیا ہے میرا اس شہر سے۔"

"ہمیشہ کے لیے؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ طرح دے کر اٹھی۔

"یہاں پاپا اکیلے رہ جائیں گے۔"

"ساری دنیا کی لڑکیوں کے باپ ایک نہ ایک دن اکیلے رہ جاتے ہیں۔"

"ہاں مگر میرے پاپا— ساری دنیا میں صرف ایک ہیں ورنہ وہ بھی مجھے رخصت کر کے اکیلے رہ سکتے ہوتے اور شادی سے پہلے ہی آپ کو پتہ تھا کہ آپ کو یہیں رہنا ہو گا— پاپا کے ساتھ— پھر اب کیا ہوا ہے؟"

"مجھے صرف یہ کہا گیا تھا کہ مجھے اس گھر میں تمہارے پاپا کے ساتھ رہنا ہے؟ یہ نہیں پتہ تھا کہ چوبیس گھنٹے رہنا ہے۔" میں بڑبڑایا۔

میں نے اس کے بعد خاصی کوشش کی کہ کسی طرح وہ مان جائے میرے ساتھ یہاں سے نکلنے کو۔ میں اس کے کاندھے پہ رکھ کے بندوق چلانا چاہتا تھا کہ اگر پاپا خود باغی ہو کر اس قید سے نکلنا چاہے تو کیا کریں گے رندھاوا صاحب مگر ہنزہ— اس ایک معاملے میں اس کی ساری باغیانہ اداکاریاں ہوا ہو گئیں۔

نہ میں لالچی تھا— نہ حریص نہ سہل پسند کہ رندھاوا صاحب کی دولت کا دریا بن کے بیٹھا رہتا اور یہ ساری ذلت سہتا رہتا۔ میں نے جس وقت ہنزہ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا' تب حالات سراسر دوسرے تھے۔ میں ایک نازک جذباتی دور سے گزر رہا تھا مجھے صرف معاشی سہارا نہیں بلکہ جذباتی سہارا بھی چاہیے تھا اس لیے بلا سوچے سمجھے یہ جوا کھیل بیٹھا۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں اس دلدل سے سنبھل چکا تھا جو پھوپھو کے مجھے گھر سے نکال دینے پہ لگا تھا۔ اب چاہتا تو آسانی سے یہ سب چھوڑ چھاڑ کے آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرتا۔

کسی من موجی کی طرح۔

جہاں کوئی صبح سویرے دروازہ کھٹکھٹا کے کڑک دار آواز میں جگا کر جاگنگ کرنے نہ لے کر جاتا— جہاں

کریم بخش رندھاوا صاحب اپنے چند ہم عمر دوستوں کے ساتھ بیٹھے شیشہ سے شغل فرما رہے تھے۔ میں بری طرح چونک گیا۔

"ایپل سوڈا چلے گا؟"

"ہاں— چلتا ہوں۔" بوکھلائے ہوئے انداز میں میں کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہارے نہیں' ایپل سوڈا کے چلنے کی بات کر رہا ہوں۔"

"چلتا ہوا ایپل سوڈا؟" میری نظریں' دل و دماغ سب ان پہ فوکس تھا' جاوید کی بات خاک سمجھ آتی۔

"مجھے تو لگتا ہے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

میں اس کے بڑبڑانے کی پروا کیے بغیر وہاں سے نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

کریم بخش رندھاوا جتنا مجھے دبانے کی کوشش کرتے میرے اندر ان سے چھپ کر سرکشی نے اتنا ہی زور پکڑا تھا۔ اسی لیے میں جس کیفے جانے کا جنون بڑھ جاتا تھا۔ اسی لیے میں جس کیفے دوستوں کے ساتھ یونہی شغل میلے میں شیشہ پینے جاتا تھا وہاں اب باقاعدگی سے جانے لگا۔ حالانکہ ذرا پسند نہیں تھی مجھے اس کی شوں شوں اور غرڑ غرڑ۔

اس دن بھی میں اپنے ایک نئے دوست جاوید سے ملنے کے لیے اسی کیفے میں آیا۔

"کیا پیو گے؟"

"زہر—" دل سخت جلا ہوا تھا۔ صبح صبح سسر صاحب نے ناشتے کی ٹیبل پہ جھاڑ کے رکھ دیا تھا— سرے دانت کھانا ایک تو ویسے ہی شرمندگی کی بات ہے۔ اوپر سے نئی نویلی بیوی کے سامنے ایسی عزت افزائی شدید شرمندگی—

"دو گھر پیتے رہتے ہو گے کوئی نئی چیز لو۔"

جاوید کچھ کچھ میری حالت سے واقف تھا اس لیے ہنس کر ٹال گیا۔

"یار! منگولو کچھ بھی— میرا تو—"

بات کرتے کرتے میری نظر دائیں جانب گئی جہاں

اسے کہتے ہیں قول و فعل کا تضاد—

یا شاید ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور— اور شیشہ پینے کے اور—

میں گھر آ کے بھی اسی ادھیڑبن کا شکار رہا۔

"قیصر— یہ دیکھیے۔" ہنزہ کی آواز پہ میں ٹیرس سے کمرے کی جانب آیا۔ سوچا اسے اس کے والد گرامی کے کرتوتوں سے آگاہ کیا جائے۔ جس داماد کا خون خشک کیے رکھتے ہیں' وہی داماد انہیں وہ سب کرتا دیکھ کر آیا ہے جس سے وہ اسے ہنٹر مار مار کے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں (صد شکر کہ یہ ہنٹر زبانی کلامی یا نگاہوں کی زبان تک محدود تھے)

"تمہیں پتہ ہے ہنزہ آج میں نے کیا دیکھا؟"

"آپ نے یہ دیکھا۔" اس نے ساڑھی کا آنچل ایک ناز سے چٹکی میں پکڑ کے پھیلایا اور ایڑی کے بل گھومی۔ میرے ذہن سے تمام سازش فرار ہونے لگی۔

"ہاں دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔"

"میری ماما کی ساڑھی ہے— ان کی تصویر دکھائی تھی ناں آپ کو' وہی ان کی ویڈنگ اینی ورسری والی جو

UrduPhoto.com

دونوں نے آخری بار ساتھ منائی تھی۔ اس تصویر میں وہ یکی پہنے ہوئے تھیں۔ "وہ خوشی سے سرشار لہجے میں بتا رہی تھی۔

"پاپا کو ملا اس ساڑھی میں ــــ بلکہ ہر ساڑھی میں بہت پسند تھیں۔ نانو بتاتی ہیں ملا کو پاپا سفاری سوٹ میں زیادہ اچھے لگتے تھے تو جب بھی ملا ساڑھی پہنتیں ــــ پاپا ضرور اپنا سفاری سوٹ نکالتے اور دونوں ایک دوسرے کے پسندیدہ لباس میں سمندر پہ گھومنے جاتے۔"

میں مسکرا دیا ــــ گویا سر صاحب میں کسی زمانے میں رومانس کے آثار پائے جاتے تھے۔

"قیصر آپ بھی سفاری سوٹ پہنئے نا۔"

"میرے پاس نہیں ہے شاید۔"

"تو پھر ایسے ــــ پاپا کا پہن لیں۔"

"مروانا ہے کیا؟" میں بدک گیا۔

"میں ان کا سوٹ پہن لوں اور وہ میرا قدرتی سوٹ یعنی میری کھال کھینچ لیں۔ بہت اچھے۔" میں نے نامل دوانکر کچھ دیر بعد ہی وہ ایک لائٹ براؤن سفاری سوٹ ڈنگر میں لے چلی تھی۔

"آپ کو یاد نہیں۔ شادی کے گفٹس میں یہ سوٹ بھی تو تھا۔ جلدی سے پہن کر آئیں ــــ پلیز۔"

اس نے اتنے پیار سے کہا کہ وہ مجھے بندریا کا کھا گھرا پہننے کو بھی دیتی تو میں پہن آتا۔

"چلیں۔" مجھے محسوس ہوا کہ اپنے باپ کی طرح وہ بھی مجھ سے کوئی بات منوا کے "اپنی چالاکی پہ بہت خوش ہوا کرتی تھی مگر کریم صاحب کی خوشی کے پیچھے ان کے جذبہ مالکیت کی تسکین ہوتی تھی جب کہ ہیزہ کی خوشی سوائے اس محبت کے اور کچھ نہیں تھی جو

[illegible]

سٹنگ روم میں میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچ کر لے جانے

[illegible]

تھی۔ انہوں نے بڑی سی نعمت سے نجھے مسکراہٹ کے ساتھ ہیزہ کی جانب بڑھایا۔ ہیزہ ہی ان کے بنگلارخ ہونٹوں کو دیکھتی رہی تھی کے بعد مجھ پہ ــــ میرے بعد ہیزہ پہ نظر ڈالتے ہی کی یہ مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"پاپا دیکھیں ناں ہیزہ بالکل آپ جیسے لگ رہی ہیں ناں؟" وہ اپنی دھن میں کہتی جا رہی تھی۔

"آپ کے اور ملا کے جیسے۔"

"یہ کیا مذاق ہے ہیزہ!" ان کے ہونٹوں سے سرسراہٹ نکلی۔ تب پہلی بار ــــ ہی ہاں پہلی بار میں نے کسی پتھر کو گیلا ہوتے دیکھا۔ ان کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

وہ تیزی سے مڑے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ہیزہ ہکا بکا رہ گئی۔

"قیصر ــــ کچھ غلط ہو گیا کیا؟"

وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی اور میں اپنا حساب کتاب جوڑنے میں مصروف تھا۔

"شاید پاپا مائنڈ کر گئے ــــ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ تو فوراً" ساڑھی تبدیل کرنے اندر چلی گئی اور میں سوچتا رہا۔ میں نے پتھر پہ قطرے گرتے دیکھے تھے اور مجھے یقین تھا کہ اگر ایک دو آنسو برسیں تو قطرے بھی پتھر میں شگاف ڈال سکتے ہیں۔

اور تب میں نے اخبار میں ــــ اخبار میں وہ اشتہار دیکھا جہاں سے کہانی میں ٹوئسٹ آیا۔

یا شاید ٹوئسٹ آنے کے بعد اشتہار دیا۔ اس کا فیصلہ شاید آپ اس اشتہار کے عکس پہ نظر ڈالنے کے بعد کر سکیں گے۔

[illegible] کریم بخش رند حلوا اور مائز گس کریم کی [illegible] کی [illegible] میسوں سالگرہ مورخہ 31 دسمبر کو بمقام [illegible] ان کی رہائش گلچہ منعقد کی جا رہی ہے۔ تمام ملنے جلنے [illegible] دوستوں عزیزوں سے شرکت فرمانے کی درخواست کی جاتی ہے۔

منجانب

UrduPhotos.com

☆ ☆ ☆

[illegible] اشتہار تھا جو اخبار میں شائع [illegible] کرتے تھے۔ اپنی اور سری اور ہر تھ [illegible] کے لیے تو انفرادی طور پہ دعوت [illegible] بھی بھجوائے گئے تھے مگر [illegible] کریم بخش رند حلوا اور ان کی بیگم نرگس کریم [illegible] ساروں سے جوتا زعد چل رہا تھا" وہ [illegible]

[illegible] چار برس کی تھی جب اس کے ماما پاپا میں [illegible] ہو گئی تھی۔ وجہ دونوں کا مختلف بیک گراؤنڈ [illegible] کریم بخش نرگس کے یعنی میرے ساس [illegible] کے ہاں اکلوتی تھے۔ دونوں محبت کا شکار [illegible] نتیجہ شادی کی صورت میں نکلا مگر بے پناہ [illegible] کے سائے میں کریم صاحب کو اپنی عزت اور [illegible] بے حد عزیز تھی اور ہیزہ کے نانا کو اپنی تازہ نعم [illegible]

[illegible] ان کے ہونٹ ہلتے رہے اور بجائے خود بیوی کے ہاں رہنے [illegible] کے ہی اپنے چار مرلے کے ایک بیڈ روم والے [illegible] رخصت کرا کے لے گئے۔ انہوں نے شادی [illegible] کے بعد سسر کی فرم میں ملازمت بھی چھوڑ دی مگر جلد ہی ایک دوسری کمپنی میں انہیں ان کی قابلیت اور [illegible] کی وجہ سے تین چار گنا زیادہ اچھی جاب مل گئی۔ [illegible] کی سال ترقی ــــ اس سے اگلے سال مزید ترقی۔

[illegible] اس چار مرلے کے فلیٹ سے تین بیڈ روم والے [illegible] میں منتقل ہوئے جلد ہی خود بھی دو سے تین ہو [illegible] کے موٹر سائیکل سے کار تک کا سفر بھی طے کر لیا۔ کریم صاحب اسے اپنی شریک حیات کے قدموں کی برکت کہا کرتے تھے۔ یقیناً" ان کا ساتھ ان کے لیے [illegible] ثابت ہوا تھا لیکن جلد ہی یہ حقیقت بھی کھل

ان سب ترقیوں کے پیچھے کریم صاحب کے سسر کا ہاتھ تھا۔ وہی تھے جنہوں نے اپنے دوست کی بیٹی میں نہ صرف ان کو ایک اچھی پوسٹ دلوائی تھی بلکہ بغیر میں مسلسل اضافے بھی کرواتے رہے تھے۔ یہ حقیقت سامنے آنے پہ کریم صاحب بکھرے ــــ مگر تب تو ٹوٹ کے رہ گئے جب یہ پتہ چلا کہ اس سازش میں ان کی شریک حیات بھی اپنے والد کے ساتھ شامل تھیں۔

انہوں نے صفائی دینے کی بھیری کوشش کی ــــ بہت سمجھانا چاہا کہ ایسا کرنے کے پیچھے ان کی کیا نیت کارفرما تھی مگر کریم صاحب مان کے نہ دیے۔ اور اپنی ہی محبت کا گلا اپنے ہاتھوں گھونٹتے ہوئے انہیں اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا۔

اس کے بعد وہ تھے اور ہیزہ چار سال کی ہیزہ

میرا لاہتی کا تحفہ
کھانا خزانہ
منجمد کھانوں کا نیا ایڈیشن
جس میں گوشت کے پکوانوں
کی 25 نئی ترکیبیں
20 خوبصورت رنگین تصاویر
نئے ایڈیشن میں 25/- روپے کی خصوصی رعایت
نئی قیمت 225/- روپے ڈاک خرچ 25/- روپے
آج ہی منی آرڈر یا وی پی ارسال فرمائیں۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی۔
فون 2216361

جسے اس کی ماما لے جانا چاہتیں تو لے جا سکتی تھیں مگر صرف کریم صاحب کی تنہائی کے خیال سے نہ لے گئیں کہ یہ شخص جو سخت بے اعتبار ہو رہا ہے محبت سے... مگر رہا ہے رشتوں سے شاید بیٹی کا ساتھ اسے موم کرتا رہے۔ پتھر ہونے سے بچا لے۔ یہ ان کی محبت کی انتہا تھی کہ انہوں نے اپنی ممتا کا گلا گھونٹ دیا۔ سینے پہ پتھر رکھ لیا مگر کریم صاحب کی زندگی کو بے رنگ کر دینے کی ہمت نہ کر پائیں۔

اس کے بعد کریم صاحب نے جو بھی ترقیاں کی وہ ان کے اپنے بل بوتے پہ تھیں... شاید یہ اس ہتک کا ازالہ کرنے کے لیے تھی جو انہوں نے یہ جان کے سہی تھی کہ اب تک وہ کسی اور کے کاندھوں کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ اس پانے اور بہت کچھ پانے کے چکر میں وہ بنتے چلے گئے۔ ہر احساس... ہر دکھ' ہر درد' ہر کسک سے عاری ایک مشین۔

دانستہ' نادانستہ انہوں نے ہنزہ کے لیے وہی فیصلہ کیا جو ان کے سر نے ان کے لیے کرنا چاہا تھا اور وہ رسّی تڑا کے بھاگ نکلے تھے۔ اب سوچتا ہوں تو یہ تجزیہ کر پاتا ہوں کہ ان کے اس عمل سے ایک ہار ماننے کا احساس ظاہر تھا۔ جیسے انہوں نے ایک باپ کے طور پر اپنے سر کے باپ ہونے کے جذبات کو جان لیا ہو۔ وہ بھی اکلوتی بیٹی کے باپ تھے۔ انہیں بھی بیٹی کے تحفظات عزیز تھے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کریم صاحب کو تھے۔

رہا میرے ساتھ ان کا رویّہ تو شاید وہ مجھے اپنی جگہ دیکھتے تھے اور خود کو سزا دینے کی نیت سے میرے ساتھ یہ سب کرتے تھے۔

اس دن مجھے اور ہنزہ کو دیکھ کے ان کی آنکھوں میں یکایک اس بچھڑے ساتھ کی یاد ہلکورے لینے لگی تھی۔ لوہا گرم تھا... ایسے میں ضرب لگتی تو گھاؤ کا سودا نہ ہوتا اس لیے میں نے ہنزہ کی ماما کا پتہ لگایا اور ہنزہ کے ساتھ وہاں جا پہنچا۔ وہ میری اور ہنزہ کی شادی سے واقف تھیں۔ وہاں جا کے صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ داماد ہونا کسے کہتے ہیں... سسرال سے ملنے والا پروٹوکول کیا ہوتا ہے۔ سب نے وہاں مجھے سر آنکھوں پہ ہی بٹھایا اور جب میں نے ماما کو کچھ سچ اور کچھ جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ یہ بتایا کہ ان کے جانے کے بعد کریم صاحب کس طرح نفسیاتی و جذباتی طور پہ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور ان محرومیوں کا بدلہ وہ ہماری شہدی شدہ زندگی سے لے رہے ہیں تو وہ بھی اپنی ضد اور انا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بہت کچھ سوچنے پہ مجبور ہو گئیں۔

الگ ہونے کے بعد انہوں نے اپنی جانب سے کافی عرصہ تک کریم صاحب کو رام کرنے کی کوشش کی تھی مگر نتیجہ صفر نکلا... وہ ان کی خطا بخشنے پہ تیار نہیں تھے تو پھر وہ بھی اڑ گئیں... سالوں سے اب دونوں کے درمیان برائے نام رابطہ بھی نہیں تھا لیکن صرف بیٹی کی گھر ہستی بچانے کے لیے اور گھر آئے داماد کا مان رکھنے کے لیے انہوں نے ایک بار پھر پہل کی اور وہاں تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ پہلے سے لوہا گرم تھا۔ وہ پگھل گئے۔

☼ ☼ ☼

صرف عورتیں ہی اپنی ساسوں سے نالاں نہیں ہوتیں۔ مرد بھی اس رشتے سے خار کھاتے ہیں۔ مردوں نے اپنی ساسوں کے بارے میں بڑے لطیفے مشہور کر رکھے ہیں مگر میری ساس میرے لیے سچ مچ کی خوش دامن ثابت ہوئیں کیونکہ وہ میرے دامن میں خوشیاں ہی خوشیاں بھر گئیں۔

بیس سالوں کی جدائی کے بعد ملے لو برڈز کو اب کسی کی مداخلت برداشت نہیں تھی... بیٹی اور داماد کی بھی نہیں اس لیے ہمیں دوسرے بنگلے میں جانے کی بخوشی اجازت دے دی گئی۔

اب میں ہر سانس کے ساتھ اپنی خوش دامن کے لیے دعائیں مانگنے والا دنیا کا واحد داماد کہلاتا ہوں۔

کھانے کے لیے میں پھوپھو کا ہی محتاج تھا اس لیے یہاں ذرا مات کھا جاتا اور ان کے کاموں میں گھن چکر بنا رہتا۔

"بڑی زبان کھلتی جا رہی ہے تمہاری؟ بتاؤں سجاد بھائی جان کو؟" اس نے تڑی لگانی چاہی۔

"اور میں بتاؤں تمہارے سجاد بھائی جان کو؟" میں نے ایسے ہی کہا۔

"کیا؟" اس کا رنگ اڑا تو میں کھٹک گیا۔

"وہی....." چسکے لے لے کر کہتا میں ہوا میں تیر چلا رہا تھا۔

"بکواس..... نہیں کرو۔" رنگ تو جو اڑا 'سو اڑا اب زبان بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

"سواد آ گیا بادشاہو۔" اس کی ایک ایسی کمزوری ہاتھ آ جانے پہ میں خوشی سے جھوم گیا' جس کے بارے میں میں ٹھیک سے اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ بات ہے کیا۔

بڑا مسرور سا ہو کر میں دوبارہ باہر کی جانب بڑھا کہ اس کی آواز تیور بدل کے مجھ تک پہنچی۔

"سنو..... یہ ذرا کچھ چیزیں لا دو۔"

اس کے ہاتھ میں پچاس کا نوٹ' اور ایک لسٹ تھی ۔میں نے وہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔

"دو بوتلیں' ایک پیکٹ نمکو' ایک چپس' بسکٹ' جھٹکا مت کھائیے' دس سال پہلے کھینچ تان کے ہی سہی مگر پچاس روپے میں یہ سب آ ہی جاتا تھا۔

"ٹیوشن والے سر آ رہے ہیں' جلدی لانا۔"

"یہ سر تمہیں پڑھانے آتے ہیں یا پکنک منانے؟"

"تمہیں کیا؟..... جو کہا ہے وہ کرو۔" اس کے پنجے پھر تیز ہوئے۔

"آرام سے..... تمیز سے۔" میں نے گھور کے دیکھا۔ "ورنہ۔" دانستہ میں نے بات ادھوری چھوڑی ..... کیونکہ اس سے آگے کہنے کے لیے میرے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔

"پلیز....." زندگی میں پہلی بار میں نے اس کے منہ سے یہ لفظ سنا۔

"اچھا..... ٹھیک ہے مگر زیادہ پھیلو مت۔" اس پہ احسان جتاتے ہوئے میں نے نصیحت بھی جھاڑی۔

"جامے میں رہو تو اچھا ہے۔ میں نہ سہی' کوئی اور بتا دے گا تمہارے بھائی کی جان کو۔ ایسے کام کرو ہی ناں جن پہ بعد میں ڈرنا پڑے۔"

اگرچہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کس وجہ سے بلیک میل ہو رہی ہے لیکن اتنا اندازہ تھا کہ ضرور کوئی ایسا غلط کام کر رہی ہے جس کو وہ ماں اور بھائیوں کے علم میں نہیں لانا چاہتی۔

"میں نے اس کی عمر کا حساب لگایا۔ بے شک آٹھویں میں پڑھتی تھی مگر عمر تو سولہ سترہ سال ہو رہی تھی۔ یعنی کسی لڑکے کا چکر بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی محلے کا یا شاید کسی سہیلی کا بھائی..... میں اندازے لگاتا اس کا مطلوبہ سامان لے کر آ گیا۔ اس کے بعد کافی دن تک میں نے اس رعایت کے مزے لوٹے۔ بس ایک معنی خیز..... دھمکی سے بھرپور نظر اس پہ ڈالنے کی دیر ہوتی اور وہ دب جاتی۔

"یہ کپڑے اوپر سوکھنے کے لیے ڈال آؤ۔" پھپھو دھلے ہوئے کپڑوں کی بالٹی مجھے تھماتیں اور میں سویرا کو آرڈر دے دیتا۔

"سجاد کی یہ شرٹ استری کر کے اس کی الماری میں ہینگ کر دینا۔" سجاد شرٹ میرے منہ پہ مار کے جاتا اور میں سویرا کے.....

وہ تلملاتے ہوئے میرے احکام کی تعمیل کرتی رہتی ..... میں اسی میں مسرور تھا۔ تفصیل میں جانے کی میں نے ضرورت نہ سمجھی اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ ہوش تب آیا جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔

اس صبح پھپھو کے واویلا مچانے اور رونے دھونے پہ میری آنکھ کھلی تو پتہ چلا کہ بی بی سویرا بمعہ اپنے لیے بنا کے رکھے زیورات اور ماں کے جوڑے چالیس ہزار روپوں سمیت گھر سے غائب ہے۔

سجاد بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح نتھنے پھلائے

UrduPhoto.com

دیواروں سے ٹکریں مارتا پھر رہا تھا' پھپھو آواز دبا کے روتے ہوئے سینہ پیٹ رہی تھیں لیکن مجھے ان دونوں کی اس حالت کو دیکھ کر خاص لطف نہیں آرہا تھا۔ جو بھی تھا۔۔۔۔ سویرا جیسی بھی تھی۔۔۔۔ میرے ساتھ اس کا یا اس کی ماں اور بھائی کا رویّہ جیسا بھی رہا ہو' بہرحال وہ میرے خاندان کی لڑکی تھی۔۔۔۔ میں ان کے گھر میں نہیں وہ میرے گھر میں رہتے تھے۔ یہ گھر میرے ابا جی کا تھا۔ محلے میں اب بھی اس گھر کو محمود علی مرحوم کا گھر کہا جاتا تھا۔ یہ بدنامی اب محمود علی مرحوم کی بدنامی کہلائی جانے والی تھی۔

"چھوڑوں گا نہیں اس سر کے بچے کو۔" سجاد کے گالیاں دینے پہ میں بری طرح چونکا۔

"سر۔۔۔۔" میں نے زرد چہرہ لیے بیٹھے سفیر کو تکا۔

"وہی خبیث تو ہے۔" ضبط سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"وہ ٹیوٹر۔" میں بڑبڑایا۔۔۔۔ مجھے اپنی کم عقلی پہ جی بھر کے غصہ آیا۔ میں اسے جھوٹی تڑیاں لگا تا رہا اور کچھ نہ سمجھا۔ وہ ہر بار ٹیوٹر کے آنے پہ سویرا کا کچھ کہتی' التجا کرتی نظروں سے میری جانب دیکھنا جیسے راز کو راز رکھنے کی درخواست کر رہی ہو۔ وہ اس کے آنے پہ تاضع کرنا۔۔۔۔ میں واقعی نہ سمجھ سکا۔۔۔۔ اور خود سے زیادہ غصہ مجھے پھپھو پہ آیا۔ وہ ماں تھیں۔۔۔۔ میں ایک ناتجربے کار لاابالی لڑکا۔۔۔۔ مگر انہیں تو کھٹک جانا چاہیے تھا کہ یہ کون سی ٹیوشن ہے جو تین تین گھنٹے بند کمرے میں اکیلے ہی پڑھائی جاتی ہے۔

"قبر سے بھی نکال لاؤں گا میں اسے۔ وہ سمجھتا کیا ہے۔ سجاد کی عزت اچھالنا اتنا آسان نہیں؟۔۔۔۔ اس کی بیاہی بہنوں کو بھی طلاقیں دلوا کے گلی میں نہ رولا تو ہم بدل دینا۔" وہ دھاڑتا ہوا گھر سے نکلا۔

"سجاد۔۔۔۔ سجاد رک جا۔ عقل سے کام لے۔ بات پھیل جائے گی۔ رک تو۔"

پھپھو پیچھے لپکیں۔۔۔۔ مگر وہ نکل چکا تھا پھر انہوں نے گم صم بیٹھے سفیر کو جھنجھوڑا۔

"جا۔۔۔۔ سجاد کے پیچھے جا۔۔۔۔ کہیں وہ کچھ غلط نہ کر

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اُگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

UrduPhoto.com

ڈالے۔"

"اس سے غلط کیا ہو گا جو سویرا نے کیا ہے۔" اس کے لہجے میں تپش ہی تپش تھی۔ پھر اس نے کاندھوں سے ماں کے ہاتھ ایک جھٹکے سے اتارے۔

"دوسروں کے لیے تو خیر آپ نے کیا اچھائی دکھانی تھی۔" اس نے اچٹتی سی نظر مجھ پہ ڈالتے ہوئے ماں سے کہا۔

"کم از کم اپنی اولاد کے لیے ہی سگی ہو جاتیں۔"

پھپھو زمین پہ بیٹھ کے رونے لگیں۔ پتہ نہیں کیوں مجھ سے دیکھا نہیں گیا اور میں گھٹنوں کے بل ان کے پاس بیٹھ کر انہیں پانی پلانے لگا۔

☆ ☆ ☆

سجاد نے جو کہا' وہ کر دکھایا۔۔۔ قبر سے نکال کر تو نہیں' البتہ وہ انہیں ریلوے اسٹیشن سے ضرور پکڑ لایا۔ کوئٹہ جانے والی ٹرین' پھپھو کی خوش قسمتی یا سویرا کی بد قسمتی کی وجہ سے دو گھنٹے لیٹ ہو گئی تھی اس لیے دونوں سجاد کے ہاتھ لگ گئے۔ اس کا ایک دوست ایس ایچ او کا بیٹا تھا اس لیے سویرا کا نام آئے بغیر۔۔۔ اور پریس تک خبر پہنچے بغیر اس ناہنجار ٹیوٹر کو تو آسانی سے اندر کر دیا گیا اور سویرا کا مٹیالا رنگ پھوپھو نے مار مار کر نیلوں نیل کر دیا۔

"بس کریں پھوپھو۔۔۔ مار دیں گی کیا اسے؟"

میری شامت آئی تھی جو میں بیچ بچاؤ کرنے آگیا۔ سویرا تازی تازی محبت کی ماری۔۔۔ جدائی کا غم لیے چوٹ کھائی ناگن کی طرح مجھ پہ پل پڑی۔

"مرجا اللہ کرے۔۔۔ تجھے کیڑے کھائیں۔۔۔ تو نے ہی بکا ہو گا سر جی کا نام ورنہ کسی کو پتہ نہ چلتا۔۔۔ گھنا میسنا' پہلے مجھے بلیک میل کرتا رہا پھر اپنی آئی پہ آ کے رہا۔۔۔ ذلیل کمینے۔۔۔ منہ سے بکتا تو سہی کہ تجھے کیا چاہیے تھا۔ میں دے دیتی اور تیرا منہ کچھ دن اور بند رہنے دیتی لیکن تو۔"

پھوپھو آنکھیں پھاڑے کبھی مجھے تو کبھی گالیاں اور کوسنے دیتی سویرا کو دیکھنے لگیں۔

"تمہیں' تمہیں پتہ تھا قیصر؟" کچھ دیر کی کوشش کے بعد انہوں نے پھنسی پھنسی آواز میں بے یقین سے لہجے میں پوچھا۔

"نمک حرام۔۔۔ احسان فراموش۔۔۔ یہ صلہ دیا ہے میری قربانیوں کا۔" اس کے بعد پھپھو کی چپل تھی اور میں۔۔۔

"قربانیاں۔۔۔" میں کمر سہلاتا۔۔۔ دوسرے ہاتھ سے اپنی کھوپڑی پہ چپل کے وار کا بچاؤ کرتا ان قربانیوں کے بارے میں اپنی یادداشت کھنگال رہا تھا۔

"کیسی قربانیاں؟۔۔۔ کبھی بقر عید پہ تو قربانی کی نہیں اور کون سی قربانی۔۔۔ ہائے۔" بلبلاتے ہوئے میں نے سوال کیا۔

"تجھے اس دن کے لیے پالا پوسا۔۔۔ اپنے بچوں کے منہ کا نوالہ تیرے منہ میں ڈالا۔"

"اپنے بچوں کے منہ کا نوالہ' کیا ضرورت تھی ایسی مہربانی کی پھوپھو! اپنے بچوں کے منہ میں ہی ڈال دیتیں وہ روکھا پھیکا باسی نوالہ۔۔۔ ہائے۔"

میں مار کھاتا' ہائے ہائے کرتا سارے حساب کتاب بھی کھولتا جا رہا تھا۔

"کیا چھرا گھونپا ہے بے فیض نے میری پیٹھ میں۔۔۔ میری عزت اچھال کے۔۔۔ بے غیرت انسان' تیری بھی بہن لگتی ہے وہ۔"

"ارے واہ۔۔۔ میں اچھل کے پھوپھو کی دسترس سے قدرے دور ہوا۔ وہ کمر پر ہاتھ رکھ کے ہانپنے لگیں۔

"میری کہاں سے بہن ہونے لگی۔۔۔ جن کی بہن ہے۔۔۔ وہ سنبھالتے' میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے عزتیں سنبھالنے کا۔"

پھوپھو کی مہربانی سے سویرا کی پھیلائی یہ ڈس انفارمیشن جلد ہی سجاد اور سفیر تک بھی پہنچ گئی۔ سجاد تو مجھے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"باہر نکل احسان فراموش انسان۔"

وہ باہر دھاڑ رہا تھا اور میں ذہن پہ زور ڈال رہا تھا۔

آخر ماں بیٹے کو کون سے ایسے احسان یاد آرہے ہیں جو مجھے یاد نہیں آرہے۔

"سفیر..... بچاؤ۔"

باتھ روم کا دروازہ کھول کر سفیر تولیے سے سر رگڑتا باہر نکلا تو میں نے فریاد کی۔ جواب میں وہ ایک تیز نظر ڈال کے آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"سفیر۔" میں اسے پھوپھو اور سجاد کی طرح کھل کر احسان فراموش تو نہیں کہہ سکا مگر حتاً ضرور دیا۔

"میں کتنی بار تمہارے کام آیا۔ تم مجھے اس مصیبت سے نہیں بچا سکتے۔ میں سجاد بھائی کے ہاتھ لگ گیا تو وہ حشر کردیں گے مجھے۔ مارتے مارتے ان کی سانس بھی تو نہیں پھولتی پھوپھو کی طرح۔"

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا قیصر!" وہ سنجیدہ تھا۔ اور اس کا لہجہ گلے سے بھرپور۔

"اگر تم سویرا کو بلیک میل کرتے رہنے کے بجائے گھر میں کسی کو آگاہ کردیتے تو یہ مصیبت نہ کھڑی ہوتی ہم بروقت کوئی اقدام کرلیتے۔ کم از کم عزت سے جینے کا موقع تو نہ ملتا اس گھٹیا انسان کو۔"

"لیکن سفیر....." میں نے وضاحت کرنا چاہی۔

"ٹھیک ہے..... امی اور سجاد بھائی کا رویہ تمہارے ساتھ کبھی بھی ٹھیک نہیں رہا..... مانا تمہارے ساتھ اس گھر میں بہت ناانصافیاں ہوئی ہیں لیکن تم نے ان کا بدلہ بہت غلط انداز میں لیا ہے۔ ایک لڑکی کی زندگی برباد ہوتے ہوتے رہ گئی ہے۔ سوچو، وہ اسٹیشن پہ پکڑی نہ جاتی تو؟ کبھی واپس نہ آتی۔ یا چند دن بعد واپس آتی تو ہم کیا منہ دکھاتے دنیا کو؟"

"لیکن یقین کرو سفیر! مجھے ان دونوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا..... خدا کی قسم۔"

"تم جھوٹی قسمیں بھی کھا سکتے ہو؟ آج پتہ چلا ہے۔"

اس نے استہزائیہ ہنکارا بھر کے گویا میری وضاحت ہوا میں اڑا دیا۔

"میں نے تو ایک آدھ بار یونہی تکا سا لگایا..... یہ بلیک میلنگ والی بات سویرا ایسے ہی اڑا رہی ہے۔"

"وہ جھوٹ کیوں بولے گی؟"

"اپنے آپ سے توجہ ہٹا کے میری جانب کروانے کے لیے۔" میں نے چڑ کے کہا۔

"میری گردن ہی پتلی ملتی ہے اس گھر میں سب کو۔ چاہے وہ تم ہو..... چاہے تمہاری بہن۔ دیکھ لو۔ اب وہ مزے سے بیٹھی ہوگی اور تم تینوں کے تینوں مجھ پہ چڑھ دوڑے ہو۔"

سفیر کو سوچ میں پڑے دیکھ کے میں نے اس غلط فہمی کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا۔

"یہ ہے ساری بات..... میرے فرشتوں کو علم نہ تھا کہ پڑھائی کے بہانے وہ انسان سویرا کو اس قسم کی ٹیوشن دے رہا ہے۔ ورنہ یقین کرو میں کبھی یہ بات نہ چھپاتا۔ کم از کم تمہیں تو بتا ہی دیتا۔"

سفیر نے چند سیکنڈ تک مجھے گھورا..... اس کے بعد کمرے سے نکل گیا۔ اس نے نجانے میرے سچ کو کس طرح اپنی ماں اور بھائی کے لیے قابل ہضم بنایا کہ میری گلو خلاصی ہو گئی..... مگر یہ میری خام خیالی تھی..... اس مصیبت سے نکلنے کے بعد میں ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کہاں جارہے ہو قیصر بیٹا؟"

شہد میں ڈوبی یہ آواز پھوپھو پہ سوٹ کر رہی تھی نہ لفظ بیٹا۔ میں نے غور سے پہلے انہیں دیکھا..... پھر اپنے آپ کو..... دونوں وہی تھے، نہ وہ بدلی تھیں نہ میں..... پھر لہجہ اور طرز تخاطب کیسے بدل گیا۔

"جی..... کا..... کالج۔" ہکلاتے ہوئے میں نے جواب دیا۔

"ناشتے کے بغیر؟" انہوں نے کمال معصومیت سے یوں سوال کیا جیسے آج کوئی غیر معمولی واقعہ ہو گیا ہو۔

"جی..... ابھی بنا دیتا ہوں۔" مرے مرے انداز میں کہتا میں کچن کی جانب بڑھا۔

"ارے، ناشتہ تو میں بنا چکی ہوں۔" مسکراتے

آہستہ آہستہ مجھ پہ ان کی شخصیت کے سارے پرت کھلنے لگے..... ہر بات واضح ہونے لگی۔

چند ہی مہینوں میں میں جان گیا کہ کریم بخش کا اپنے لیے ایک مسکین سا داماد ڈھونڈنے کے پیچھے کون سے تحفظات کار فرما تھے۔

کریم بخش ایک انتہائی خود پسند شخص تھا۔ سونے پہ سہاگہ سیلف میڈ بھی..... اور سیلف میڈ لوگ ویسے بھی عمر بھر اپنی جدوجہد اور کامیابیوں کے گن گاتے اور ان پہ اتراتے نہیں تھکتے۔ انہوں نے کسی زمانے میں خاصا برا وقت بھی دیکھا تھا اور مجھ سے زیادہ اچھی طرح کون یہ جان سکتا ہے کہ برے وقت میں رشتے دار کیسے بے موسمی پھل کی طرح غائب ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا رشتے داروں سے الرجک رہنا آسانی سے سمجھ میں آتا تھا۔

انہیں یہی خطرہ رہتا تھا کہ کسی کے قریب ہوئے تو وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں میں اور جھوٹی محبت اور اخلاص میں پھنسا کے اپنا الو سیدھا کر لے گا۔ ان کی اس احتیاط کا خاصا اثر ہنزہ نے لیا۔ اسے بچپن سے ہی الگ تھلگ رہنے کی عادت ڈالی گئی۔ ایسے بچوں کی اکثریت رفتہ رفتہ خود ہی آدم بیزار اور تنہائی پسند ہو جاتی ہے لیکن ہنزہ فطرتاً" محبت کرنے والی اور معصوم تھی۔ اسے اپنی محبت لٹانے کے لیے آس پاس کوئی نہ ملا اور وہ اسے سینت سینت کر رکھتی گئی..... (اب میں موجاں کر رہا تھا) ماں کی محرومی نے اسے باپ سے قریب ضرور کیا مگر اس کی عادت و خصلت کے وہ آس پاس بھی نہ پھٹکی۔ یوں دیکھا جائے تو مجھ جیسا خوش قسمت اور کوئی نہیں تھا۔

میں نے ایک جوا کھیلا تھا..... سوچا تھا کتنی بے عزتی ہو جائے گی؟ زیادہ سے زیادہ..... اپنے ہی گھر میں..... اپنے ہی حق کا کھاتے ہوئے پھوپھو جیسی عورت کا گھر داماد کہلانے اور سجاد جیسے ہتھ چھٹ کا "گھر بہنوئی" بننے سے بہتر تھا کہ میں وہ مکھی نگلتا جو انجانی' ان دیکھی تھی۔ لیکن یہ معجزے سے کم نہ تھا کہ ہنزہ جیسا بمپر پرائز میرے نام نکلا۔

اب میں ذرا سا..... بلکہ اچھا خاصا ندیدہ اور ناشکرا ہو چلا تھا..... میں جو دل میں یہ ارادہ کر کے اس شادی پہ تیار ہوا تھا کہ جو ہوا' دیکھا جائے گا۔ جیسی بھی بیوی ملی گزارہ کر کے صابر و شاکر کہلاؤں گا اور شاید اسی ایک نیکی کے بدلے جنت کا چانس بھی بناؤں گا اور صابر شاکر بننے کے سارے ارادے خواب و خیال بنتے گئے۔ ہنزہ نے مجھے اتنا سر چڑھا دیا تھا کہ کریم بخش رندھاوا سے بھی میں اسی پروٹوکول کی توقع لگانے لگا۔

لیکن وہ ایسا کیوں کرتے..... یہ سب کرنے سے بچنے کے لیے ہی تو انہوں نے مجھ سے کم مایہ داماد کا انتخاب کیا تھا ورنہ اپنے سرکل میں انہیں ایک سے ایک شخص مل سکتا تھا مگر اپنی ٹکر کے یا اپنی حیثیت سے اوپر کا داماد لا کے وہ اپنا سر جھکانا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اس مفروضے کو غلط ثابت کرنے کا سوچا تھا کہ بیٹی کے باپ کا سر جھکا ہی رہتا ہے۔ بڑی پلاننگ کے ساتھ انہوں نے میرے جیسے گھر داماد کو چنا تھا..... جس کا نہ آگا تھا نہ پیچھا..... مگر خاندانی اور شریف تھا..... ذات میں کوئی عیب بھی نہیں تھا۔ اچھی طرح سے ٹھونک بجا کر انہوں نے میرے سر پہ سہرا باندھا اور پھر اپنے شوق پورے کرنے لگے۔

"محمود....."

صبح سویرے میری آنکھ ہنزہ کی چوڑیوں کی کھنک یا اس کی مدھر ہنسی سے کھلنے کے بجائے ان کی کڑک دار آواز سے کھلتی۔ انہیں انگریزوں کی طرح سیکنڈ نیم سے پکارنے کی عادت تھی یا انہیں قیصر نام پسند نہیں تھا یہ میں سمجھ نہیں پایا مگر ہر بار ان کے منہ سے اتنے تحکم بھرے انداز میں یہ نام سن کر میں بے بسی سے پھڑپھڑا کے ضرور رہ جاتا کیونکہ ظاہر ہے یہ میرے ابا جی کا نام ہے اور اس کے یوں پکارے جانے پہ میرا ناراض ہونا میرا حق بھی ہے..... لیکن چاہنے کے باوجود میں اب تک یہ حق استعمال نہ کر پایا تھا۔

"ساڑھے سات ہو گئے ہیں۔ تم اب تک سو رہے ہو؟"

دروازے کے پار سے ان کی آواز آتی جیسے ساڑھے

سات نہیں، ساڑھے بارہ بج چکے ہوں۔
"جلدی باہر آؤ..... میں جم میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"
بیسمنٹ میں انہوں نے ذاتی جم بنا رکھا تھا۔ اور میری صحت کے بارے میں مکمل طور پہ اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہی مجھے داماد بنانے والے رندھاوا صاحب کو اب پتہ نہیں کیوں میری فٹ نیس پہ شکوک لگنے لگی تھی۔
"ٹاٹنٹی فور..... ٹاٹنٹی فائیو۔"
مجھے شرمندہ کرنے کے لیے ہی وہ اتنی اونچی آواز میں گن رہے تھے میں نے بھی ویٹ اٹھاتے ہوئے ریپیٹ کر کے زیر لب دہرایا۔
"ٹوٹنٹی ون..... ٹوٹنٹی ٹو۔"
"تمہارا تو حساب بھی خاصا کمزور ہے، ابھی بارہ تک گنتے ہو اور بائیس گن رہے ہو۔"
"وہ بھی بڑی تیز نظر ہے۔" میں بڑبڑایا۔
"تمہارا سانس بہت جلدی پھول جاتا ہے سگریٹ پینے لگے ہو؟"
"جج..... جی نہیں، نہیں تو۔" سچا ہونے کے باوجود میں ہکلا کر رہ گیا جس پہ وہ اور زور سے ہنکارا بھرتے۔
"جھوٹ بولنے والے سے مجھے سخت نفرت ہے۔"
"آپ کو کس سے نفرت نہیں ہے؟" میرا دل کراہ اٹھا۔
"میں نے اپنی بیٹی کی شادی اس لیے نہیں کی کہ اس کا شوہر سگریٹ پھونکنے کے بعد نہ صرف خود کو ٹی بی دے اور پھیپھڑوں کے کینسر کی جانب پیش کر دے بلکہ اسے بھی ایک غیر صحت مندانہ ماحول دے۔ اس کے سامنے بھی پیتے ہو سگریٹ؟"
"میں سگریٹ نہیں پیتا خدا کی قسم!" میں روہانسا ہو گیا۔
"قسم جھوٹے کھاتے ہیں۔" انہوں نے بھی شاید ٹھان لی تھی مجھے جھوٹا ثابت کرنے کی۔
"پیا کبھی کبھی....." میں پھر سے ہکلایا۔
"سگریٹ تو نہیں البتہ وہ کل میں نے یونہی بس ذرا سا شیشہ پیا تھا۔"
"شیشہ؟" ان کے ہاتھ سے ڈمبل چھوٹ کر نیچے جا گرے۔
"شیشہ پیا تھا؟ شیشہ بھی پینے کی چیز ہے بھلا؟ وہ تو دیکھنے کی چیز ہے بے وقوف انسان۔"
میں نے کسی انسان کو اتنی جلدی کسی دوسرے سے بے تکلفی کی تمام حدیں پار کرتے نہیں دیکھا جتنی جلدی میرے سسر صاحب نے دکھائی تھی، آپ سے تم پہ..... اور برخوردار سے بے وقوف انسان پہ آنے میں۔
"پیا بھی جاتا ہے۔" میں نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا اور ان کا تجسس دور کرنے کی خاطر انہیں نزدیکی کیفے میں لے جا کر دکھلایا بھی۔
"اچھا..... حقہ۔" انہوں نے اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے مجھے دیکھا اور پھر ایکا ایکی ان کا سارا اطمینان رخصت ہو گیا۔
"تم حقہ پیتے ہو! تمہیں اپنے نہیں تو ہمارے اسٹیٹس کا تو خیال رکھنا چاہیے۔"
"شیشہ آج اسٹیٹس سمبل بن چکا ہے۔" میں نے ڈرتے ڈرتے ان کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔
"واٹ ربش..... میں نے تو کبھی اپنے مالی کو حقہ پینے کی اجازت نہیں دی۔ تمہیں کیسے دے سکتا ہوں۔ آج کے بعد تم مجھے ایسی کسی نامعقول لت میں گرفتار نظر نہ آنا۔" وہ بڑی کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔
"چلیں اب؟" میں نے مزید تفتیش سے بچنے کے لیے کہا۔
"ہاں تم چلو..... میں آتا ہوں..... ایک کام ہے۔" انہوں نے مجھے بھیج کے ڈرائیور کو ایک گھنٹے بعد آنے کا کہا۔

☆ ☆ ☆

"ہنزہ! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہیں دور چلا جاؤں